ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

غلام عباس کے افسانوں کا سماجی مطالعہ

A SOCIOLOGICAL STUDY OF GHULAM ABBAS FICTIONS

محمد طاہر علی

(پی ایچ۔ڈی سکالر)لاہور گیریژن یونیورسٹی،لاہور

شیریں رزاق

پی۔ایچ ڈی اسکالر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،لاہور

ڈاکٹر محمد عطااللہ

صدر شعبہ اردو،لاہور لیڈز یونیورسٹی،لاہور

Muhammad Tahir Ali

(PhD Scholar) Lahore Garrison University, Lahore

Shireen Razak

Ph.D. Scholar, Government College University, Lahore

Dr. Muhammad Attaullah

Head of Department of Urdu, Lahore Leeds University, Lahore

Abstract:

Ghulam Abbas is one of the fiction writers who have written on the force of social problems thinks to his unique style and rare ideas. He has chosen his fictional subjects from common social life. In the pictures of social and class conflict that he has created through his characters, his muted tone, idealism and realism hide the muted voice of protest of human life. Echoing this protest is search for a border collective sense of human life. Social problems, moral traditions and sexual tendencies are fundamental in Ghulam Abbas,s fictions. He has unleashed a wave of human emotions and feelings in the unraveling of sexual issues, behind which is the economic class division that force him to adopt such an attitude. In this way, Ghulam Abbas, with help of his fictional imaginations, metaphorical narrative and sensory picture, has highlighted the creative situation of his characters, the atmosphere of the events and the specific situation of the social conditions in which the contemporary social facts are read in a documentary form.

Key words:

Human behavior, fiction, anxiety, Social problems, Idealism, Realism, emotions and feelings, unique style

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کلیدی الفاظ:

اسلوب، سماجی مسائل، طبقاتی کش مکش، صدائے احتجاج، اجتماعی احساس، اخلاقی روایات، جنسی رجحان، غلام عباس افسانوی تخیل، استعاراتی بیان، سماجی حقائق۔

ادب زندگی کا آئینہ ہے۔اس عکسی آئینے میں زندگی کے سبھی علوم اور اقدار و روایات قوسِ قزح کے رنگوں کی مانند اپنی چاشنی بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ادب میں زندگی کے تمام پہلو سماجی، سیاسی، معاشی، تہذیبی اور تاریخی دھارے آکر مل جاتے ہیں۔ادب اپنے عہد اور اس سے متعلق افراد کے نظریات، خیالات اور تحریکات کا عکاس ہوتا ہے۔انسانی تاریخ اور سماج دونوں ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اردو افسانے کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کا تغیر ادب کو متاثر کرتا ہے۔ادب اور سماج ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔یہ نہ صرف ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں بل کہ ایک دوسرے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔زندگی میں یکسانیت کا ہونا ناممکن ہے۔آئے روز ہونے والی تبدیلیاں اور انقلابات انفرادی اور اجتماعی سطح پر فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں۔ تخلیق کار چونکہ سماج سے ملحق ہوتا ہے۔سماج میں وقوع پذیر ہونے والا تغیر و تبدل اس کے نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کی بدولت ان سماجی تبدیلیوں کا تجزیہ کرتا ہے۔اس کے نتیجے میں جو چیزیں یا واقعات اس کے ذہن کو متاثر کرتے ہیں وہ ان واقعات کو اپنے نگارشات میں سمو دیتا ہے۔چناچہ ادیب ادب اور سماج کی کڑیوں کو یوں نگوں کی لڑیوں میں پروتا ہے کہ اس کی افادیت سماجی اور معاشرتی حوالے سے گہرائی کی حامل ٹھہرتی ہے۔

اردو افسانے کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں ہو چکا تھا۔اس کے ابتدائی دور پر داستان کا تخیلی، رومانوی مزاج غالب تھا۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اردو افسانہ چونکہ داستان کی اس پہلو سے اخذ شدہ تھا جس پر انسانی حیات کے رومانس کی چھاپ واضح تھی۔اس میں زندگی کے حقیقی سماجی رویوں کی آبیاری کی گئی تھی۔ گویا اردو افسانے کا ابتدائی دور رومانوی تحریک اور حقیقت پسندی کے ملے جلے رجحان کا سنگھم تھا۔ جس میں ایک طرف سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور مجنون گورکھپوری رومانوی مزاج کو اپناتے ہوئے سماجی مسائل اور اقدار کو اپنی تخلیقات میں پیش کر رہے تھے۔جب کہ دوسری جانب پریم چند اور اس سے متاثرہ ادیب حقیقت پسندی کو فروغ دے رہے تھے۔یہ عہد 1930ء تک لکھے گئے افسانوں پر مشتمل تھا۔جب کہ دوسرا عہد جس میں ترقی پسند تحریک کے انقلابی نظریات کی بدولت اقتصادی مسائل، سیاسی کشمکش، سماجی بحران اور انسانی نفسیاتی رویوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا۔اس میں سعادت حسن منٹو، بیدی، عصمت چغتائی، اختر اورنیوی، ممتاز مفتی، خدیجہ مستور اور قرات العین حیدر شامل تھی۔یہ اردو افسانے نگاری کا دوسرا دور تھا جس میں ترقی پسندی اور اشتراکی رجحانات غالب تھے۔یہ دور قیامِ پاکستان تک محیط ہے۔اس کے بعد افسانہ نگاری کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں مذکورہ افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ بلونت سنگھ، میرزا ادیب، رام لال، اشفاق احمد، رحمان مذنب، جیلانی بانو، حاجرہ مسرور، احمد ندیم قاسمی، غلام ثقلین نقوی، بلراج کومل اور غلام عباس اپنے مخصوص شعلہ بیانی اور تحرک کی بدولت سماج کے کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر افسانوی انبوہ میں پورے معاشرے کی پیکر آفرینی کرتے نظر آتے ہیں۔غلام عباس ان افسانہ نگاروں میں اپنے خاص مزاج کی بدولت فرد کے سراپا کی بجائے سماجی مسائل اور اقدار کو اس افسانوی انبوہ کی کروٹوں کا مرکزِ ثقل بنایا۔

غلام عباس نے افسانہ نگاری کا آغاز 1932ء میں کیا۔اس وقت ان کی عمر 13 اور 14 سال ہو گی۔اس دور میں افسانوی ادب کی نشر و اشاعت کے لیے حکیم احمد شجاع کے رسالے "ہزار داستان" کو خاصی شہرت حاصل تھی۔عباس نے سب سے پہلے اسی رسالے کے لیے ٹالسٹائی کے مشہور افسانے "جلاوطن" کا ترجمہ کیا تھا۔بقول عباس ان کا پہلا طبع زاد افسانہ "مجسمہ" ماہنامہ کارواں کے سال نامے میں شائع ہوا تھا۔غلام عباس کو جس افسانے نے غیر معمولی شہرت عطا کی وہ "آنندی" ہے۔بقول انتظار حسین:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"بہ حیثیت افسانہ نگار غلام عباس کو جس افسانے سے غیر معمولی شہرت ملی وہ "آنندی" ہے۔ آنندی کو سماجی حقیقت نگاری اور مثالیت پرستی پر نقطہ عروج قرار دیا جاتا ہے۔ یہ افسانہ اس وقت لکھا گیا جب اردو میں حقیقت نگاری کا شور تو بہت تھا لیکن رومانوی افسانہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ غلام عباس اس رومانی مزاج کو پہلے ہی پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ (1)"

غلام عباس نے ایک ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی جس میں انسان کے اندر کی آرزوئیں شعلوں کی مانند بھڑک رہی تھیں۔ معاشرہ عقائد و تصورات اور انسانوں کے بنائے ہوئے بندھنوں میں جکڑ چکا تھا۔ چناچہ غلام عباس نے ہمارے معاشرے کی سماجیت کے کھوکھلے پن کو بہت گہرائی سے دیکھا اور اس معاشرے کے متوسط طبقے کی معاشی بدحالی، سماجی بے راہ روی اور اضطراب میں چھپی مایوسیوں اور مجبوریوں کو برانگیختہ کیا۔ انہوں نے اپنے موضوعات کی بندش واقعات کی فضابندی شہروں اور محلوں کے مکانوں کے خدوخال کی تصویر کاری میں معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی تصویریں آویزاں کی ہیں۔ جس کی بدولت کرداروں کے لیے عقبی پردے کا بندوبست کیا گیا۔ ان کے اکثر کردار ایک عجیب و غریب کشمکش، ذہنی تناؤ اور دوہرے پن کا مجسمہ بنے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو گئے ہیں۔ جس میں ایک چہرہ ظاہری ہے جو مصنوعی اقدار و روایات کا پتا دیتا ہے۔ جب کہ دوسرا چہرہ اس کی اندر کی دنیا کا ہے جس میں ان تمام حسرتوں، خواہشوں کے جواہرات کے بندھنوں کی آزاد سرسراہٹ ہے جو ابھی تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ معاشرے کے متوسط طبقے کو اپنے حصار میں جکڑے بورژوا اور استحصالی نظام نے اسے اتنا حوصلہ ہی نہیں دیا کہ وہ اپنی حسرتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ کہیں اخلاق کی پابندی، تو کہیں مذہب کی آڑ میں، تو کہیں ذات برادری اور رسم و رواج کے بندھنوں نے سماج کے افراد کے اندر اس نفسیاتی کشمکش کو جلوہ افگن کیا جس کا ٹکراؤ بدستور اس کی ذات سے جڑا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا پہلا مجموعہ "آنندی" ہی کو لے لیجیے جس میں جواری، ہمسائے، کتبہ، ناک کاٹنے والے، سمجھوتہ، سیاہ سفید اور آنندی ایسی افسانے ہیں جن میں سماجی افراد کو درپیش مسائل، زمانے کی سختیوں اور نفسیاتی رویوں کی واضح جھلک نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کی تراش خراش میں نفسیاتی جبلتوں، جذبات و احساسات اور سماجی رسم و رواج کو پوری جزئیات سے پیش کرتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی کرداروں کے رنگ کبھی پھیکے نہیں پڑتے۔ ان میں پھپھولا ہٹ اور پیلا پن اس وقت جنم لیتا ہے جب سماجی اور اخلاقی بحران انہیں اپنے چنگل میں جکڑ لیتا ہے۔ جیسے سیاہ سفید کی میمونہ، کن رس کا فیاض، بھنور کے حاجی شفاعت احمد، سایہ کا سبحان، اس کی بیوی کا بے نام نوجوان ہیرو، غازی مرد کی چراغ بیوی، بردہ فروش کی جمی، اوور کوٹ کا نوجوان اور اینگلو انڈین لڑکیاں، آنندی افسانہ کی بیسوائیں، کتبہ کا شریف حسین، ناک کاٹنے والے افسانے کا رنگ باز، حسین بخش ایسے ہی کردار ہیں جن کے ذریعے غلام عباس نے سماجی مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کی جزئیات کی بدولت ایک طرف تو خارجی مظاہرات کے پہلوؤں کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے تو دوسری جانب جنسی میلانات، احساسات و جذبات اور اچٹتے جنسی تلذذ کی پیکر آفرینی کی ہے۔ جس کی بدولت معاشرے کے اس سماجی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے جس کا تعلق جسم فروشی سے وابستہ بیسواؤں کی حیات سے جڑا ہے۔

ن۔م۔ راشد کا خیال ہے کہ: آنندی کی اشاعت کے ساتھ ہی غلام عباس کا شمار بڑے افسانہ نگاروں میں ہونے لگا تھا۔ راشد کے نزدیک اس عظمت کا حقیقی سبب یہ ہے کہ:

> "غلام عباس منٹو کی طرح زندگی کے بخیے نہیں ادھیڑتا، وہ عسکری کی طرح کم عمری میں بالغ ہو جانے والے بچے کی طرح چھپے روزنوں میں سے زندگی کو نیم برہنہ نہیں دیکھتا۔ وہ عزیز احمد کی طرح ناکام معلم بن کر کسی فاسد انا کی تسکین نہیں کرتا"۔(2)

غلام عباس اپنے دوررس مشاہدات کو بروئے کار لاتے ہوئے افسانوی واقعات کی جزئیات اس سلیقے سے پیش کرتے ہیں کہ ان کے افسانوی پلاٹ کی بندش میں زندگی کے وہ تمام حقائق جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھے یا جن تک ہماری رسائی نہ تھی کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔ غلام عباس نے اپنے کرداروں کی بدولت سماج کی ایسی تلخیوں اور کج رویوں سے پردہ چاک کیا ہے جو کسی حد تک معاشرے کی اجتماعی یا انفرادی بے حسی کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ ہمارے سماج کی ظاہری ملمع کاری کی پرتوں کو اس کے باطن کی گہرائیوں میں اتر کر سامنے لاتے ہیں۔ نتیجتاً اس احساسِ مروت اور بصیرت کی دیدہ کاری میں نرم و نازک جذبات پوری صداقت کے ساتھ ضوفشانی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کے افسانہ "بردہ فروش" یا "آنندی" ہی کو لے لیجیے جس میں بردہ فروشی اور جسم فروشی کے رجحان کو کمالِ مہارت سے پیش کیا ہے۔ بردہ فروشی اگرچہ دنیا کا قدیم ترین پیشہ تصور کیا جاتا ہے۔ اردو کے بیشتر افسانہ نگاروں نے بردہ فروشی کی نفسیات کو عمرانی و سماجی حوالے سے پیش کیا ہے۔ منٹو کے تو کئی شاہکار افسانے اور کردار اسی بردہ فروشی کے گرد گھومتے ہیں۔ "بردہ فروش" کا پلاٹ غلام عباس نے پنجاب کے ایک قصبے جمال پورہ کے ریلوے اسٹیشن کو سامنے رکھتے ہوئے تراشا ہے۔ اس اسٹیشن پر جہاں لوگوں کی چہل پہل نظر آتی ہے وہیں پر ایک ادھیڑ عمر سیدھی سادھی دیہاتن ایک گٹھڑی سر کے نیچے رکھے لیٹی ہوئی ہے۔ اس کردار کے ذریعے غلام عباس نے انسانی معاشرے کی سماجیت کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے جس کی بدولت انسان عورت کی نسوانیت اور بے چارگی کو اپنی حوس کا نشانہ بنالیتا ہے۔ ریشمہ ایک ایسی ہی عورت ہے جسے عمر کے پانچویں سال ہی جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔ بچپن کے شب و روز جو ہنسنے کھیلنے کے تھے وہ اس نے دیہاتوں میں کام کرتے زمین داروں کے ہاں کام کرتے ہانڈی روٹی کے واسطے در بدر ٹھوکریں کھاتے گزارے۔ اس نے زندگی میں ایسے ایسے فریب پائے، ایسے ایسے لوگوں سے دھوکہ کھایا جو بظاہر تو نمازی اور پرہیز گار لگتے تھے مگر ریشماں کو اپنی حوس کا نشانہ بناتے ہوئے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اسی ظالمانہ استحصالی رویے کے تحت ریشماں کے بطن کے اندر فطری چونچلا ہٹ اور الہڑ پن نے فروغ پایا۔ ریشماں کی شادی سے پہلے چودھری غلاب نے اس کے ساتھ سنبندھ قائم کیے۔ شادی کے بعد اس کے شوہر نے ظالمانہ رویہ اختیار کیا، اس کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ اس صودائی کے ساتھ ریشماں نے جو چار سال گزارے، ریشماں کے اندر جس نیم وحشی پن نے جنم لیا اس کی بدولت اس کے اندر اچھائی اور برائی کی تمیز ختم ہوگئی۔ مائی جمی جو کہ خود بردہ فروش تھی اور اس نے بردہ فروشی کو ایک فن کی حیثیت دے رکھی تھی۔ یہ انسانی المیہ ہے کہ انسان ہمیشہ سے نوجوان لڑکیوں کا خواہش مند رہا ہے۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ اپنے بڑھاپے کی پرواہ کیے بغیر ایسی عورتوں کا شکار بن جاتا ہے جو انہیں محبت کا جھانسہ دے کر سب کچھ ہتھیا لیتی ہیں۔ مائی جمی بھی ایسی ہی عورت تھی جو ہر وقت نئے شکار کی تلاش میں رہتی۔ ریشماں نے یہ فن مائی جمی سے سیکھا تھا اس کے ہونٹوں پر جو زہریلی مسکراہٹ تھی چہرے جو عشوہ و ناز کی تھی جو دکھلاوا تھا وہ سب جمی کی تعلیم کا سمبار تھا۔ ریشماں اس پیشے کو ناچاہتے ہوئے بھی اپنے ہوئے تھی چونکہ معاشرتی سماجیت میں اور رویوں نے اسے بردہ فروش بننے پر مجبور کیا تھا۔ غلام عباس نے بردہ فروشی کے اس پیشے کی جھلک ریشماں کے کردار کے ذریعے یوں بیان کی ہے:

> "ریشماں نے جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ جس قسم کی زندگی گزاری تھی۔ اس سے وہ زندگی کو ایک خوف ناک کھیل سمجھنے لگی تھی۔ جس میں کھلاڑی ہر وقت جان کی بازی لگائی رکھتا ہے اور آخر ایک دن اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ ریشماں کی مہم پسند طبعیت کو یہ کھیل جس میں ایک طرح سے مردوں سے انتقام لینے کا جذبہ بھی شامل تھا۔ مگر بد قسمتی سے اب تک اسے تکلیفیں ہی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں اور وہ لذت نہ مل سکی تھی جو کسی خوف ناک کھیل کی کامیابی پر کھلاڑی کو حاصل ہوتی ہے۔ چودھری غلاب کے گھر بس کر اسے پہلی مرتبہ زندگی کی قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ اس گھر میں کیسی عافیت تھی اور باہر کیسے کیسے خطرے۔ جن لوگوں کو فریب دیا گیا ان کے غضب ناک چہروں کا ہر وقت آنکھوں کے سامنے پھرتے رہنا۔ اجنبی شکلوں پر خواہ مخواہ ان کا دھوکہ ہونا۔ رہ رہ کے چونک پڑنا، سوتے سوتے چیخ اٹھنا۔ (3)

اس افسانے کی بدولت غلام عباس نے اس سماجی برائی، طبقاتی کش مکش اور اقتصادی حالات کی گرہ کشائی کی ہے جس نے ریشماں کو ایسی صورتِ حال سے دوچار کیا۔ "آنندی" بھی ایک ایسا ہی افسانہ ہے جس میں غلام عباس نے جنسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے اقتصادی ناہمواری اور سماجی کشاکش کو پیش کیا ہے۔ غلام عباس نے "آنندی" افسانہ اس وقت لکھا جب طوائفوں کے کوٹھے زوال کا شکار ہوگئے تھے۔ جس طرح سے عہدِ لکھنو میں طوائف بازاری نے بطور تہذیبی حیثیت حاصل کر لی تھی مگر اس کے نقوش وقت گزرنے کے بعد بھی دھندلے دھندلے سے پائے جاتے ہیں۔ طوائفیں اپنے جسم کی چال ڈھال اور بناو سنگھار سے معاشرے کو مغلوب کیے ہوئے تھیں۔ اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے غلام عباس نے عورت کو بطور طوائف کے پیش کیا ہے۔ "آنندی" افسانے بیسواؤں کی طرح "بھنور" بھی ایسا ہی افسانہ ہے جس میں بہار اور گل کو طوائف کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ "آنندی" افسانے ہی بدولت غلام عباس کو شہرتِ دوام ملی۔ بقول ن۔ م راشد:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"اس کہانی میں غلام عباس نے اس عورت کے گرداگرد جس طرح ایک شہر، ایک پورے شہر کی تعمیر منزل بہ منزل دکھائی تھی وہ ایک طرف تو پوری تہذیبی ترقی کی تمثیل تھی۔ دوسری طرف اخلاق کے ان نیک دل اور نیک نیت نگہبانوں پر ایک خندہ تضحیک تھا، جو ہر تجربے کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کو اگر شہر بدر یا انسان بدر کر دیا جائے تو ہمیشہ کے لیے روپوش ہو جاتا ہے۔ اور پھر کبھی سر نہیں اٹھاتا، جو یہ سمجھتے ہیں کہ قانون کے ایک ہی تازیانے سے ہر بدی کو ہمیشہ کی نیند سلایا جا سکتا ہے۔"(4)

"آنندی" ایک ایسا شاہکار ہے جس میں غلام عباس نے نو آبادیاتی نظام کے تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک شہر بسانے کی جستجو کی ہے جس میں بیسواؤں کے لیے الگ سے گھر تعمیر کیے جاتے ہیں۔ یہ شہر اگرچہ طوائفوں کی غلاظت اور بدکاری سے معاشرتی افراد کے بچاؤ کے لیے کیا جاتا ہے۔ مگر یہ انسانی فطرت ہے بل کہ اس کو اگر ہم سماجیاتی ذہنی و نفسیاتی رویہ قرار دیں جو بجانہ ہو گا۔ کیوں کہ سماجی لحاظ سے معاشرہ جب تک خود اپنی اصلاح نہیں کرتا اور اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی پاکیزہ مباشرت کے اصول کو ممکن نہیں بناتا تو اس وقت تک نا صرف معاشرہ ان بیسواؤں کے کوٹھوں کی ذینت بنتا رہے گا بلکہ ان کوٹھے والیوں کو کسی سنسان جگہ پر بھی قیام پذیر کر دیا جائے تو چند ہی ساعتوں بعد اس کے گرداگرد وہی دکانیں ہوں گی شاپنگ مالز بنے ہوں گے اشیائے خورد و نوش بیچنے والوں کیسر گرمیاں ہوں گی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نیا شہر تعمیر ہو جائے گا۔ اور اس شہر میں اکثریت ان اوباش اور نادیدہ کار سماجی باشندوں کے سفید پوش لوگوں کی ہو گی جو ابھی ان طوائفوں کا وجود گوارہ کر سکتے تھے بل کہ اخلاق کے ٹھیکدار بھی خود ہی کو گردانتے تھے اور کہتے نظر آتے تھے کہ بازارِ حسن کا مسکن شہر کے وسط میں ہونا معاشرے کی تباہی کا سبب ہے۔ یہ لوگ ان عورتوں کو شہر بدر کر کے کسی غیر آباد علاقے میں رہنے کی تجاویز بھی دیتے ہیں۔ اور اس کا بنیادی سبب اس غلاظت سے بچاؤ گردانتے ہیں جس کی گندگی میں رات کی تنہائی میں خود جا بستے ہیں۔ غلام عباس نے اس سماجی رویے کی تجسیم کاری یوں کی ہے:

"اور صاحبان پھر آپ یہ بھی تو خیال فرمایئے کہ نونہالانِ قوم جو درسگاہوں میں تعلیم پا رہے ہیں اور جن کی آئندہ ترقیوں سے قوم کی امیدیں وابستہ ہیں ۔اور قیاس چاہتا ہے کہ ایک نہ ایک دن قوم کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کا صحرا انہیں کے سر بندھے گا۔ انہیں بھی صبح و شام کسی بازار سے ہو کر آنا جانا پڑتا ہے۔ یہ قبائیں جو ہر وقت بارہ ابھرن سولہ سنگھار کیے ہر راہ رو پر بے حجابانہ نگاہ و مژدہ کے تیر و سناں برساتی اور اسے دعوتِ حسنِ عشق دیتی ہیں۔ کیا انہیں دیکھ کر ہمارے بھولے بھالے ناتجربہ کار، جوانی کے نشے میں سرشار، سود و زیاں سے بے پرواہ نونہالانِ قوم اپنے جذبات و خیالات اور اپنی اعلیٰ سیرت کو معصومیت کے مسموم اثرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ صاحبان! کیا ان کا حسن زاہد فریب ہمارے نونہالانِ قوم کو جادہ مستقیم سے بھٹکا کر ان کے دل میں گناہ کی پر اثر ارلذتوں کی تشنگی پیدا کر کے ایک بے کلی، ایک اضطراب، ایک ہیجان برپا نہ کر دیتا ہو گا۔"(5)

اس افسانے کی بدولت غلام عباس نے نہ صرف عورتوں کے سماجی و جنسی استحصال کی تفصیل بیان کی ہے بلکہ سماج کے اس رویے پر بھی قلم اٹھایا ہے جو ان عورتوں کو جسم فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ سایہ بھی ایک ایسا افسانہ ہے جس میں عورتوں کی بچپن کی حیات کو سامنے رکھتے ہوئے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جس میں مرکزی پہلو عورتوں کا مردوں کے تابع کرنا ہے۔ اعلیٰ تعلیم بھی ان خواتین کی اخلاقی تربیت نہیں کر پاتیں کہ وہ اچھے برے میں کے فرق کو سمجھ سکیں۔ اس افسانہ کی کہانی معاشرے کے ایک ایسے وکیل کے گھریلو حالات سے بُنت کی گئی ہے۔ یہ کہانی سبحان نامی ایک غریب بوڑھے خوانچہ کی زبانی پیش کی گئی ہے جو وکیل کی کوٹھی کے سامنے اپنی ریڑھی لگاتا تھا۔ سیاہ سفید افسانہ بھی ایک سماجی مسائل پر مبنی روایتی مسلم معاشرے کے اخلاقی نظام پر مبنی ہے جس کا مرکزی کردار میمونہ بیگم کو ایک چھوٹے سے قصبے میں استانی کے روپ میں جلوہ گر کیا گیا ہے۔ میمونہ بیگم والدین کے انتقال کے بعد جس کرب اور کسم پرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہے۔ اسے جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی روداد "سیاہ و سفید" میں دی گئی ہے۔ اس کے بالوں میں چاندنی نے ڈیرے ڈال دیے تھے مگر پھر بھی اس کے جذبات جوانی کا جوش دکھا رہے تھے وہ ابھی بھی گھر بسانے کی لگن میں مشغول تھی اسی وجہ سے وہ اپنی بڑی بہن ساجدہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ وہاں ایک شب کناٹ پیلس پر اس کی ملاقات ایک شریف صورت نوجوان سے ہوتی ہے جو کافی دیر سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ کا تعقب کرتا ہے میمونہ بھی اس میں دل چسپی لینے لگتی ہے مگر جلد ہی اس پر یہ راز عیاں ہو جاتا ہے کہ شریف صورت نوجوان اوباش اور بد چلن ہے۔ میمونہ اس کی اور اس کے لفنگے دوستوں کی حرکات و

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سکنات کی وجہ سے سہم جاتی ہے اور جلدی سے گھر پہنچ جاتی ہے۔اس کے کردار کی بدولت غلام عباس نے ایک طرف تو عورت کی نسوانیت کے اندر پنہا جذبات واحساسات کے اضطراب کو پیش کیا ہے تو دوسری جانب اس سماجی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معاشرہ کے افراد کسی غریب یا متوسط طبقے کی دوشیزہ کو اپنی جنسی حوس کا نشانا تو بنا سکتے ہیں مگر باعزت طریقے سے اسے اپنے گھر کے آنگن میں کھلنے نہیں دیتے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"غلام عباس کے پاس سماجی شعور کی گہرائی موجود ہے اور وہ نظامِ اقدار کی کیفیت، طبقاتی تفریق، غربت اور افلاس اور ایک نئے نظام کے قیام کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔"(6)

غلام عباس نے اپنے کرداروں کی تراش خراش اور واقعات کی تجسیم کاری کی بدولت ہمارے سماج کی اس ظالمانہ روایت اور نظام کو تنقید کا نشانا بنایا ہے۔ جس نے سماجی بے حسی کی چادر اوڑھ کر انسانی وجودیت کو مسائل سے دوچار کر رکھا ہے۔لوگ بے کسوں کی مجبوریوں پر آوازیں تو کستے ہیں مگر شرافت سے جینے کا حق نہیں دیتے۔ سماجی استحصال کے شکار افراد لاچارگی کی دلدل میں پل پل مرتے ہیں لیکن ان کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔انہوں نے مزدوروں اور غریبوں کو کڑی دھوپ میں موسم کی سختیوں کو برداشت کرتے دیکھا یا ہے۔ مگر اس محروم طبقے کی ناتمام آرزوؤں اور حسرتوں کو تکملہ سے ہم کنار نہ کر پائے۔ "کتبہ" کا شریف حسین، "چکر" کا چیلا رام، "آنندی" کی طوائفیں، "بردہ فروش" کی ریشماں، "سیاہ وسفید" کی میمونہ بیگم اور "کن رس" کا فیاض ایسے معاشرتی کردار ہیں جنہیں سماجی بربریت نے ظلم وستم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا ہے۔ سماج کے ان داتا خداؤں نے ان بیچاروں کی امیدوں کے چراغ گل کر دیے ہیں۔ان کی زندگیوں کو تاریکیوں کے ایسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں جا پھینکا ہے کہ ان کی زندگیاں گزر جاتی ہیں مگر ان کے خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتے۔ افسانہ "بحران" کا پروفیسر سہیل اور "کتبہ کا شریف حسین اسی کمزور طبقے کے پروردہ ہیں جنہوں نے اپنی حسرتوں کی تکمیل کے لیے شبانہ روز محنت کی مگر جیتے جی وہ ان حسرتوں اور آرزوؤں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ معاشرتی سنگدلی اور طبقاتی تفریق نے ان کے خوابوں کو زمین بوس کر دیا ہے۔اور وہ اپنے شکست خوردہ خوابوں کی کرچیاں چنتے چنتے اس دارِ فانی سے گزر جاتے ہیں۔ کتبہ کا شریف حسین ایک ایسا کردار ہے جس نے اپنے خوابوں کا تاج محل تعمیر کرنا چاہا ایک ایسے گھر کی تکمیل چاہی جس پر اس کے نام کی تختی کندہ ہو مگر جیتے جی یہ کتبہ اس کے مکان کی چوکھٹ پر تو نہ لگ سکا مگر بقول حسین نوشاہی کے:

"یہ کتبہ شریف حسین کی حسرتوں کے مکان کی لوحِ مزار بن کر سماجی علامت کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔"(7)

غلام عباس نے شریف حسین کے کردار کی بدولت ان سماجی صداقتوں کو بے نقاب کیا ہے جن سے سماج آنکھیں چراتا ہے۔ سماج کے ی طبقاتی تفریق نے جس طرح سے شریف حسین کو ذہنی کرب سے دوچار کیا غلام عباس نے اس کے کردار کی بدولت معاشرتی افراد کے ذہنوں کو اور حکمران طبقے کو جھنجوڑنے کی جستجو کی ہے۔اس اندوہ ناک طلاطم خیز بحرِ بے کراں کی لہروں میں سماج کے ان مجبور بے کس لوگوں کو جھونک دیا ہے جس کی علامت شریف حسین کا کردار ہے۔ غلام عباس نہ صرف انسانی مزاج سے آشنا تھے بل کہ سماجی نشیب وفراز سے بھی گہری آگاہی رکھتے تھے۔ ان کی نگاہیں سماجی ہیجان انگیز صداقتوں کی تلاش میں ہمہ تن گوش رہتی تھیں۔ چناچہ انہوں نے اپنے افسانوں کے موضوعات کی بوقلمونی اور کرداروں کی رنگارنگی کی بدولت اپنے زمانے کے ان سماجی معیاروں کی تلاش وجستجو کی جس میں انسانی حیات کے جذبات واحساسات اور سماجی رویے اپنی پوری توانائی کے ساتھ افسانوی آہنگ میں ڈھل گئے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ جعفری، فضیل، (2022ء)، غلام عباس کا افسانوی ادب، مشمولہ: کلیاتِ غلام عباس، لاہور، کتابی دنیا، ص: 52

2۔ راشد،ن۔م،(2010ء)،جاڑے کی چاندنی، مشمولہ: غلام عباس: فکروفن،راولپنڈی، نقش گر پبلی کیشنز،ص:35

3۔ عباس،غلام،(2010ء)،کلیاتِ غلام عباس،ترتیب و مقدمہ: ندیم احمد،راولپنڈی، نقش گر پبلی کیشنز،ص:308

4۔ راشد،ن۔م،(1960ء)،تمہید،مشمولہ: جاڑے کی چاندنی،کراچی،سجاد کامران ہاؤسنگ سوسائٹی،ص:08

5۔ عباس،غلام،(1948ء)،آنندی،لاہور،مکتبہ جدید،ص:231

6۔ بریلوی،ڈاکٹر عبادت(2010ء)،غلام عباس کی افسانہ نگاری، مشمولہ: غلام عباس: فکروفن،راولپنڈی، نقش گر پبلی کیشنز،ص:39

7۔ نوشاہی، حسن،(2010ء)،غلام عباس کے افسانے سماجی جبریت کا اظہار،راولپنڈی، نقش گر پبلی کیشنز،ص:249